فائزہ افتخار

تین عورتیں ایک کہانی

یہ کہانی پھاتاں کی ہے۔

پھاتاں۔۔۔ جتنا پھٹا پرانا اس کا نام ہے' اتنی ہی بوسیدہ اس کی زندگی بھی ہے۔ گندے نالے کے ساتھ ساتھ چلتے چوڑے پل کے نیچے اس کی جھگی ہے۔ جی ہاں وہ جھگیوں کی مخلوق ہے جسے عرف عام میں "جنگڑ قوم" بھی کہا جاتا ہے۔ خیر اب وہ اتنی بھی جنگڑ نہیں رہی' اپنی دانست میں تو اس نے خاصی ترقی کر لی ہے۔ اس کی ماں نانی کو ڑا اٹھائے' کاغذ چنتے یا پھر گھاگھرے ہلا ہلا کر گڑوی بجا بجا کے روپے دو روپے اٹھا کرتی تھیں جبکہ وہ پل کے پرے والی نئی کالونی کی پوری چار کوٹھیوں پہ کام سنبھالے ہوئے ہے۔ بڑے گھروں کے کام بھی بڑے' ایک ہی کچن میں تین تین ملازم ہوتے ہیں ایک تو خانساماں' دوسرا اس کا مددگار سبزی بنانے اور مسالے پیسنے والا' تیسرا برتن دھونے والا۔ اسی طرح صفائی ستھرائی کے لیے بھی دو طرح کے ملازم رکھے جاتے ہیں۔

پھاتاں کا شمار نچلے درجے کے ملازمین میں ہوتا ہے۔ اسے ان کوٹھیوں کے سجے سجائے کمروں میں جانے کی اجازت نہیں' اس کے لیے دوسری ملازمہ ہے جو مشینی جھاڑو کے ذریعے قالین صاف کرتی ہے' قیمتی نازک چیزیں' نفاست سے جھاڑتی ہے اور سفید سفید چکنے غسل خانے عجیب عجیب خوشبودار دوائیاں ڈال کے دھوتی ہے۔ پھاتاں کے ذمے دوسرے کام ہیں۔ دو گھروں کے باہر کے برآمدوں' گیراج وغیرہ کی دھلائی' ایک گھر میں وہ کپڑے دھونے والی ماسی کی مددگار ہے اور وہ سبز کھڑکیوں والا بڑا بنگلہ' جس میں بڑی بیگم صاحبہ کی تین بہوؤں میں سے کوئی نہ کوئی ہر وقت اس کی طلبگار ہوتی۔ چار سال سے وہ وہاں حاملہ خاتون کی ٹانگیں دبانے اور مالش کرنے کی تنخواہ لے رہی ہے۔

ماں اور نانی کی طرح تیز رنگوں کے لہنگوں کے بجائے بیگمات کے اترے فینسی شلوار قمیص پہن کر اپنے حساب سے تو اس نے ترقی ہی کی ہے نا۔ کھلے میدانوں میں کپڑے کی جھگی میں پلنے والی پھاتاں نے پکے پل کے نیچے سرکنڈوں کی جھونپڑی ڈالی ہے۔ سر پہ حکومت کی بنائی مضبوط چھت پچھلی طرف کنکریٹ کی دیوار۔ نہ بارش کا ڈر نہ طوفان کا خوف۔

وہ خود کو خاصا جہاندیدہ سمجھتی ہے اور کیوں نہ سمجھے' کہتے ہیں جس نے ایک مرد پرکھ لیا' سمجھو جہان دیکھ ڈالا اور وہ تو تین تین مرد پرکھ بیٹھی ہے۔ ایک اس کا باپ' دوسرا اس کا شوہر اور تیسرا بھی اس کا شوہر۔ تیرہ سال کی عمر میں پہلی بار اس کی شادی ہوئی۔ ایک جھگی سے اٹھ کے دوسری جھگی میں چلی آئی' ہاں البتہ جس جھگی میں آئی تھی وہاں کھڑی سائیکل اس کے ابا کی پرانی جھگی میں پہنچ گئی تھی۔ اس کے نئے مالک نے اسے بھی کھٹارا پرزوں والی بے جان سائیکل ہی سمجھا۔ اتنے تیز تو کسی سائیکل کے پیڈل پہ کسی کے پیر نہ چلتے ہوں گے جتنے اس کے ٹھڈے پھاتاں کی پیٹھ پہ برستے۔ الٹر خنچل اور کھلے بندوں سڑکوں پہ کھیل کے پلنے والی پھاتاں کی زبان بھی تو ایسے چلتی تھی کہ اسے بریک لگانے کے لیے بے چارے شوہر کو ہاتھوں پیروں دونوں کا زور لگانا پڑتا۔ دھمو کے' گھونسے' طمانچے اور لاتیں

کھا کھا کے اس کا سانولا کچے جامن سا بدن پک کے چند ہی سالوں میں بدنما سے کالے سنگھاڑے میں تبدیل ہو گیا۔

اس سے عمر میں پچیس سال بڑے شوہر کو نی بی تو شادی کے اگلے ہی برس لگ گئی تھی۔ بے چارہ اب نہ تو تسلسل سے گالیاں بک پاتا تھا نہ ہی دل لگا کے مارنے کی سکت رہی تھی یعنی اسی فیصد شوہرانہ حقوق تو نامراد کے مارے گئے' باقی بیس فیصد اس نے خوب وصولے اور پانچ ہی سالوں میں چار بچے دے کر مر گیا۔ آخری دنوں میں کم بخت نے پھاتاں کا اتنا خرچہ کروا ڈالا کہ دونوں چھوٹے بچے بھوک اور بیماری سے لڑ نہ سکے اور باپ کے پیچھے پیچھے ہی چل پڑے۔ کیا کرتے۔۔۔ ماں کو کام سے فرصت نہ تھی اور بڑے بہن بھائیوں کو بچے ہوئے گلے سڑے پھل چننے کی مصروفیت رہا کرتی۔ پانچ ماہ اور سوا سال کی عمر کے دونوں بچے اپنے حصے کا رزق خود کوڑے کے ڈھیر سے چننے کے قابل ہوتے تو شاید

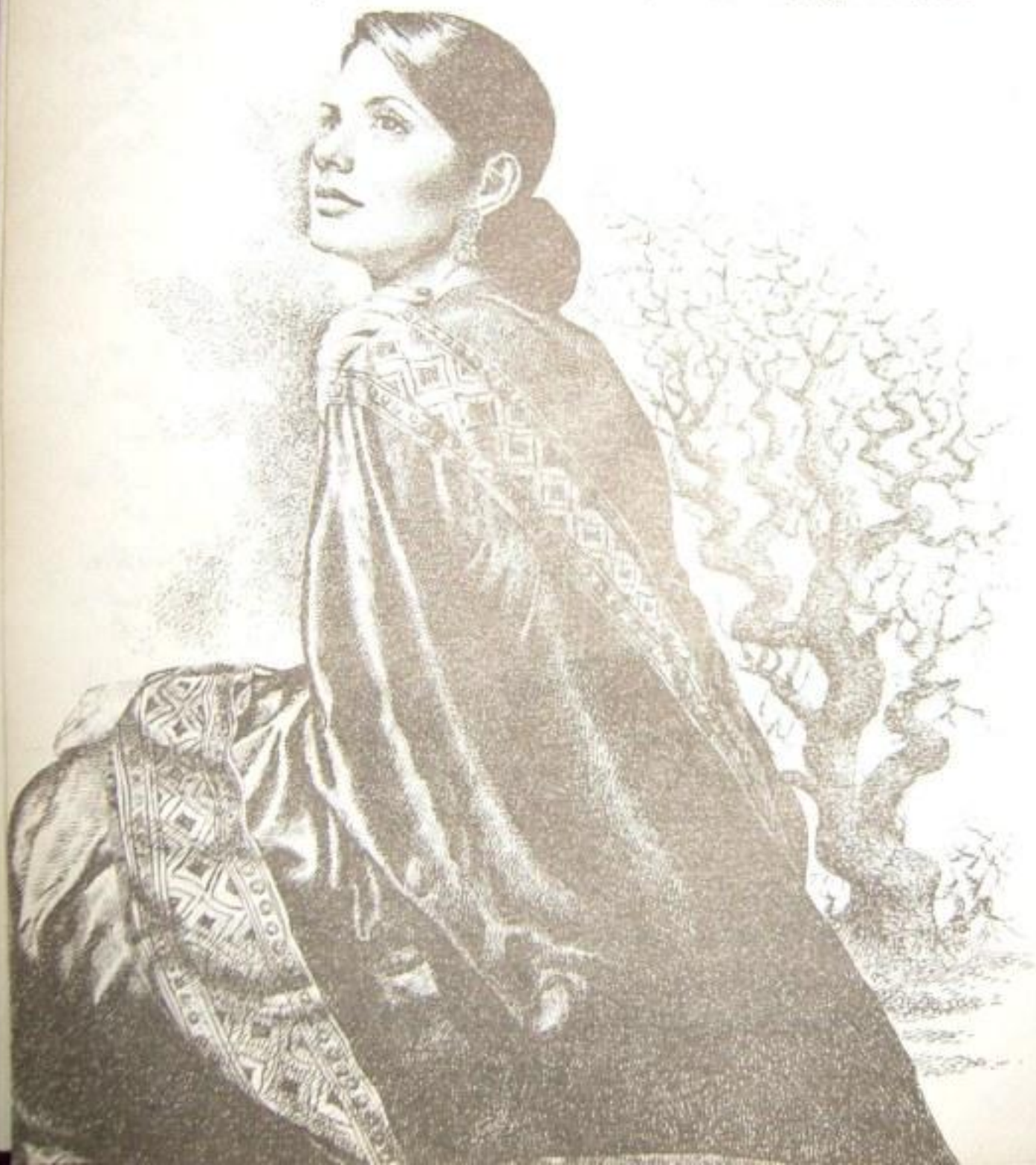

بچ ہی جاتے۔

اسی سال برادری والوں نے، جی ہاں ان کی بھی برادری ہوتی ہے اور آپ کی ہماری برادری کی طرح یہ بھی مشکل میں کام آئے نہ آئے، مشکل آسان ہوجانے یعنی موت آنے کے بعد ضرور اکٹھی ہوتی ہے۔ ہاں تو برادری والوں نے انیس سالہ پھاتاں کو پھر سے بیاہ دیا لیکن اس بار اسے دوسری جھگی نہ جانا پڑا بلکہ اسی جھگی کے کونے میں پڑا رہنے والا اسولہ سالہ دیور اب اس کا مجازی خدا تھا۔ وہ مجازی خدا جس نے شروع میں تگڑی بھابی کی بڑی ماریں کھائیں، پہلے چرس کا سوٹا لگانے، پھر دیسی شراب چڑھانے پہ، وہ تو قدم بہ قدم بڑھتا گانجے سے افیم اور اب ہیروئن پہ آگیا، بھابھی میں بھی دم خم نہ رہا۔ بھائی نے مرتے مرتے اس کی ہڈیوں تک سے جان نچوڑ کر پھوک کردی تھی اور اب یہ مسلی، نچڑی، تھوکی ہوئی عورت اس پہ کالک کی طرح مل دی گئی۔ پیلے بڑے بڑے دانت، چندی آنکھیں، چرخ کھردرے ہاتھ، لیروں لیر پھٹی ایڑیاں۔۔۔ وہ انکار کرتا تو برادری والے اسے جوان بھابھی کے ساتھ رہنے سے انکار کرتے ہوئے جھگی سے نکال دیتے اور وہ نشے سے ڈولتے جسم کو کہاں گھسیٹا پھرتا اس میں تو اتنی طاقت بھی نہ تھی کہ اپنی نفرت اور غصے کا اظہار ہاتھ چلا کے ہی کرلے۔ نشے سے دھت کبھی وہ اس کے قریب آبھی جاتا تو ہوش میں آتے ہی کراہیت کے ساتھ بے جان سی ٹھوکر مار کر پرے کرتا ہوا باہر نکل جاتا۔

پانچ سال تک روئی کی طرح دھنکی جانے والی پھاتاں اپنے جوان شوہر کی ہلکی سی ٹھوکر کو ہنس کے سہہ لیتی، مار کھانے میں اسے قطعی اعتراض نہ تھا جو بھی تھا آج وہ عزت سے تو اپنی جھگی میں بستی ہے۔ اپنی جوان ہوتی لڑکی کو بغیر کھٹکے چھوڑ کے کام کو نکل جاتی ہے جانتی ہے پیچھے بیٹھا ہوا اس کا سگا باپ نہ سہی سوتیلا ہی سہی مگر چچا تو سگا ہی ہے۔ کسی اور سے بیاہ کرتی تو یہ ڈر الگ لگا رہتا۔ پھر کیا تھا جو وہ نشہ کرتا تھا کڑوا بولتا تھا، تیکھا دیکھتا تھا ہاں مگر کبھی کبھی وہ بھی بگڑ جاتی جب وہ زبردستی اس کی محنت کی کمائی ہتھیا لیتا یا انکار کرنے پر گھر کی کوئی نہ کوئی چیز اٹھا کے لے جاتا، کبھی منجی، کبھی دیگچی، کبھی کھیس، تب وہ ہاتھ اٹھا اٹھا کے اسے کوستی۔ وہی جانتی تھی کس کس طرح چھ بچوں کا پیٹ بھرنے کے بعد وہ پائی پائی جمع کرکے کوئی چیز لے پاتی ہے۔ جی ہاں بڑے بھائی نے غصے ہی غصے میں تو چھوٹے نے نفرت ہی نفرت میں چار چار بچے پیدا کیے۔ یعنی اسکور برابر رہا۔

آج کل پھاتاں کو نیا شوق چڑھا ہے اپنے بچوں کو پڑھانے کا۔ نئی کالونی کی سیدھی سڑک پہ ایک بی بی نے این جی او قائم کی ہے، جس کے مقاصد میں سرفہرست غریب بچوں کو مفت تعلیم مہیا کرنا ہے۔ اور اس کے لیے انہیں دور نہیں جانا پڑا قریب ہی گندے نالے کے ساتھ بڑے پل کے نیچے ایسی بہت سی مخلوق ہے جن پہ وہ اپنے شوق پورے کرسکتی ہیں۔ بچی سفوری بی بیاں، عینکیں چڑھائے، خوشبودار رومال ناک پہ رکھے ایک ایک جھگی میں جاتی ہیں بچوں کو رنگین تصویروں والی کتابیں دکھا کے، لبھانے کی کوشش کرتی ہیں ایک ایک میٹھی گولی تھما کے اپنے ماں باپ سے اسکول جانے کی ضد کروانے کا وعدہ کرلیتی ہیں۔ اجڈ قسم کے لوگوں کو تعلیم کی افادیت پہ لیکچر دیتی ہیں۔

خیر ان کی روز کی سر کھپائی کا اتنا نتیجہ نکلا کہ پھاتاں اور اس جیسی چند اور عورتیں اپنے بچے اکٹھے کیے ان کے پیچھے پہنچ گئیں۔ پھاتاں صرف تین بچوں کو ساتھ لا سکی۔ بڑا بیٹا جو پہلے شوہر سے تھا اب ایک ورکشاپ میں کام کرتا تھا اور بیس پچیس روز کما کے لاتا تھا۔ اس سے تو اب وہ دبنے لگی تھی اس لیے ذکر ہی نہ کیا اس سے چھوٹی لڑکی جو اب گیارہ سال کی تھی وہ بھی بڑی مشکل سے ساتھ آنے پہ تیار ہوئی، اس سے چھوٹے دونوں لڑکے بھی بڑے بدزبان تھے اور کسی ہوٹل پہ کام کرتے تھے۔ جو روپے دو روپے کماتے وہیں فلمیں دیکھ کے اڑا دیتے یا بہت ہوا تو کبھی بچا ہوا سالن لے آتے، وہ بھی ہتھے نہ چڑھے۔ سب سے چھوٹا پانچ سال کا بیٹا چھکوا اٹھلائی۔ گود کی لڑکی ذرا بھی قابل ہوتی تو

مارے شوق کے اسے بھی داخل کرا ہی دیتی۔

"کیا نام ہے تمہارا؟" بڑا سا رجسٹر کھولے موٹے شیشوں کی عینک پہنے وہ پکی عمر والی عورت ان کو نھی والی بی بیوں جیسی نہیں لگ رہی تھی' البتہ لہجے کا رعب اور چہرے کی کرختگی و بیزاری بتا رہی تھی کہ وہ ضرور استانی ہوگی۔

"پھاتاں۔"

"کیا؟ اصل نام بتاؤ اپنا؟" وہ ڈپٹ کے بولی۔

"پھاتاں جوجہ دلاور" اس کی نظر میں تو یہی اصلیت تھی نا اس کی۔

"جوجہ صاحبہ! اپنا اصل نام بتایئے' یہ کیا نام ہوا پھاتاں چھاتاں' فاطمہ ہے تمہارا نام؟" اس نے قیاس کیا۔

"ناں جی' پھاطمہ کیوں؟ پھاتاں ای اے مارا ناں۔" اسے فاطمہ جیسا دھلا دھلایا نام اپنی بوسیدہ ہستی کے لیے موزوں نہ لگا۔

"اچھا' یہ لڑکی ہے تمہاری؟ کیا نام ہے اس کا۔"

"ساداں۔"

"چلو اس کا بھی۔ بھئی اسکول میں یہ قافیے نہیں چلیں گے کوئی ڈھنگ کا نام بتاؤ۔ شاداں کا نام میں..... شاہدہ لکھ لیتی ہوں۔" وہ کچھ سوچ کے بولی۔

"ہاں جی ٹھیک اے۔" وہ خوش ہو گئی۔

"لکھ لو جی سیداں ولد آسق"

"بہت اچھے۔ تم زوجہ دلاور اور لڑکی تمہاری' کسی عاشق صاحب کی اولاد۔" پیچھے کھڑی دونوں کچی عمر کی لڑکیاں کھی کھی کھی کرتی ایک دوسرے کے کندھے پہ گرنے لگیں۔

"کیوں مسز ہارون! میں نہ کہتی تھی' اتنی تباہ کاریاں کسی ایک بندے کا کام نہیں۔" میک اپ سے لپی بھاری بھرکم سی عورت نے شوخ لہجے میں اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

قسمت کی بات ہے اسی رات دلاور بھی ذرا کم لڑکھڑاتا ہوا آیا۔ وہ نشے میں دھت کہیں گرا پڑا رہتا تو پھاتاں کو وارے کھاتا تھا۔ ذرا ہوش میں آیا نہیں' جان عذاب میں ڈال دیتا۔ اسے پتا چلا کہ وہ دو بچے اسکول بھرتی کرا آئی ہے تو دم پہ چوٹ کھائے کتے کی طرح جھگی میں گھوم گھوم کے بھونکنے لگا۔

"تیں دو ٹکے کی جنانی' اتے بڑے بڑے پھیصلے کرنے لگ گئی۔ رانڈ ہے تو؟ کھسم مر گیا ہے کیا دوسرا بھی؟ بچے کیا اکیلی تیں نے جنے ہیں؟ میں باپ نہیں ان کا؟"

"ہائے ہائے کیا بچے بیچ کے آئی ہوں میں اور تیں آج یاد آیا کہ ان بچوں کا باپ کون ہے۔ آج سے پہلاں تو کھیال نئیں آیا ان کا۔ جب موٹر کھانے بھرتی کرایا کالو کو تب تو میں نہ بولا۔ نکو اور بھولو کو تندور پانڈے دھونے بٹھایا تب بھی چپ رہا۔ بدبخت کیا کھاتے' کیا پاتے کج کھبر رکھی میں نے۔ آیا بڑا باپ بننے۔" وہ بھی طیش میں آگئی آج ہی تو لی ہوں نے شرم دلائی تھی اسے کہ ایک تو آوارہ' چرسی' نکھٹو' شوہر پالا ہوا ہے۔ اس کو کھانے کو روٹی' چسکے کو نشہ' سونے کو جگہ دیتی ہو اور پھر مار بھی اس سے کھاتی ہو۔

"تیں بڑی زبان چلائے ہے آج سسری۔ کج کہوں نا میں تو سر پہ چڑھتی جاوے۔" وہ چولہے سے ادھ جلی لکڑی اٹھا کے اس پہ لپکا۔

"اب نہ تیرا جلم چلے دلاور!" وہ گرما گرم توا تان کے کھڑی ہو گئی تو دلاور ڈھیلا پڑ گیا۔

"کالی رانڈ' منوس' کھسم پہ ہاتھ اٹھائے' دو جگہ میں جائے گی سیدھی۔" وہ عورتوں کی طرح منے بیٹھ گیا۔

"ناں تو اب کہاں ہوں سارا دن توڑوں' گرمی سردی کھاؤں پھر چار پیسے لاتی ہوں' پیٹ میں پڑھ جائیں گے' تیرا کیا جاتا ہے نامراد۔"

"ساری ساری جندگی روئے گی تیں' یہ سسرے پڑنے لگ گئے تو کام نہ کریں گے کبھی۔ ہڈ حرام' ہو جاویں گے۔"

"تیری تریوں۔" وہ پھنکاری تو اپھر بلند ہو گیا۔

"میں سب جانوں تو کیا سنا رہی ہے' تیں مجھے جورو کا غلام سمجھے؟ کج کہتا نئیں میں اس لیے بھڑوا جانے ہے

مجھے 'ہائے ری کسمت! بھائی کوئی بی لگادی اس مردار نے اب مجھے چمٹ گئی۔ کیسی کیسی حوراں پھدا ہیں دلاور پہ اور یہ بڈھی ناشکری کرے۔"

حوروں کے ذکر پہ بھاتاں ذرا کھٹکی 'اسے سن گن تو کئی دنوں سے مل رہی تھی کہ دو جھگی پرے رہنے والی چھمی کا بڑا گٹھ جوڑ ہو رہا ہے آج کل دلاور سے۔ جب وہ کام پہ ہوتی ہے تو چھمی کبھی پھل 'کبھی چائے کبھی واتا دربار سے لائے چنوں والے چاول لے کے آتی ہے اور دونوں گھنٹوں گپیں لڑاتے ہیں۔ چھمی بھی اسی کی عمر کی تھی مگر زیادہ رکھ رکھاؤ نہیں گئی تھی اس لیے دم خم باقی تھا۔ ایک اکیلی جان تھی اس کی 'سو زیادہ مارا ماری بھی نہیں کرنی پڑتی تھی چند گھنٹے واتا کی نگری لگا آتی اور گزر ہو جاتی اس لیے حالت بھی سنوری ہی رہتی جب کہ بھاتاں تیس کے قریب تھی اور چالیس سے اوپر کی لگتی تھی۔

چوبیس سالہ بھرپور جوانی کو اب اس میں رتی بھر دلچسپی نہ تھی۔ مطلب تھا تو صرف سر پہ چھت اور نشے پانی کی رقم سے۔ اب دلبستا" اچھی جگہ سے مل جاتا تو اسے کیا اعتراض تھا' نام میں تک کے بھاتاں کو ان افواہوں پہ دھیان دینے کا خیال نہ آیا لیکن اب خود اس کی زبان سے یہ سن تو کانوں میں کے کھٹک گئی۔

"کون سی اندھی حوراں تیں ہو تیں پہ چھدا ہو گئیں۔"

"اری کوئی ایک ہے۔ ایک تو سرکس والی جو سال پرے میلے میں آئی تھی کہتی تھی جہاں میلہ جائے گا تیں ساتھ رکھوں گی۔ شیزادہ بناؤں گی۔ میں نے جانے کا حوصلہ نہ کیا۔ وہ کالی کوٹھی کے کھانساماں کی رن' روج کے بے آبھاگ چلیں۔ گھنے روپے سب ہیں میرے پاس تیں عیش کراؤں گی۔ چلا جاؤں گا کسی روج اس کے ساتھ یا چھمی کی جھگی جا بسوں گا۔ غریب بے سہارا ہے۔ نہ مرد نہ بچہ' جوان کھبسورت 'ایسی مٹھی زبان ہے۔ ایک تو کالا منہ' کالی زبان منے کوئی مجبوری نئیں 'تیں بچے کام سے نہ لگاوے گی۔ پرانے بھیجے گی تو کھرچا کیسے پورا ہو گا۔"

"ابے جا تو نکل کے تو دکھا۔ تیں دو جی سانس نہ آوے۔ تیں بارات نکالنے کی سوچے میں جنا جا نکال دوں تیرا۔ بات کرتا ہے۔ سکل دیکھ اپنی وہ سرکس والی میم تجھے شیزادہ بنائے گی۔ ارے ہیجڑا بنا کے ناچ نچوائے گی میلے میں تیرا۔ پر تیں تو وہ بھی کرنے کے قابل نئیں۔ وہ کھانساماں کی رن' چور کی بچی' لمبا ہاتھ مارنا ہو گا۔ کوٹھی والوں کے ہاں اس لیے تیں کو آگے کر رہی ہے تاکہ پکڑی جائے تو تیں کا نام لے کے کھود بچ جائے' اور وہ چھنال چھمی ـــــ"۔

یہاں آ کے وہ رک گئی۔ دل ہی دل میں اس کی باتوں سے خوفزدہ ہونے کے باوجود اس کی عقل تسلیم نہیں کرتی تھی کہ کوئی عورت دلاور کے مدہوش' میلے اور ناکارہ وجود کے لیے اتنا تڑپ سکتی ہے۔ وہ اسے محض اپنی مردانگی کی دھاک بٹھانے والی گپیں سمجھ کے جھٹلانا چاہتی تھی مگر چھمی ..... وہ جس قسم کی عورت تھی تقریباً" سب ہی جانتے تھے اب شاید وہ کھل کھلا کے سامنے آنا چاہتی تھی مگر اکیلی ہونے کی وجہ سے ہمت نہیں کر پا رہی۔ ایسی عورتوں کو ایسے ہی برائے نام مردانگی رکھنے والے مرد چاہیے ہوتے ہیں' جن کا منہ چند روپوں سے بند ہو جاتا ہو اور جن کی غیرت ایک ہی سوٹے میں دھواں ہو جاتی ہو۔ کیا پتا وہ سچ مچ چارہ ڈال رہی ہو۔ یہاں آ کے وہ سہم جاتی۔

"اگر اس کے نشہ پانی میں ذرا بھی کمی ہوئی تو وہ رسیاں تڑوا لے گا۔ پھر۔ پھر یہ چھ جانیں۔ کس کا نام ہو گا ان کے سر پہ۔ اور میں جو سر اٹھا کے روز کام پہ نکلتی ہوں کیسے خود کو بچاؤں گی اور کیسے گھر بیٹھی جوان ہوتی لڑکی کی حفاظت کروں گی۔" وہ گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی۔

"میں کہے دیتا ہوں بوت من مانی کرلی تیں نے۔ اگر مجھے ساتھ رکھنا ہے تو میری ماننی پڑے گی۔ لڑکی کو اپنے ساتھ کام پہ لگا اور چھکو کو سویرے کریمو کے ساتھ بھیج۔ اس کی نان چھولے کی ریڑھی کے ساتھ جائے گا کوئی کام نہیں۔ صرف گراھکوں کو پلیٹیں پکڑائی ہوں گی۔ کھرچا کھلا آئے گا گھر میں تو تیری بھی آسانی ہے

نہیں تو۔۔۔ مجھے اور بھتیری۔" وہ لڑکھڑاتا ہوا باہر نکل گیا۔

"اماں۔۔۔! اماں۔۔۔!" چھکو پکارتا ہوا جھگی میں داخل ہوا۔

"اماں۔۔۔! سویرے بھید ابھی میرے ساتھ جائے گا اسکول۔ اس کی اماں نے بستہ سیا ہے اس کے لیے۔ میرے لیے بھی ویسا ہی بستہ سی دے نا اماں۔" وہ پلو پکڑے بے جان مورت کی طرح کھڑی ماں سے لاڈ کر رہا تھا کہ ماں کے دھموکے اس پہ ناگہانی آفت کی طرح برسنے لگے۔

"اسکول جائے گا تیں اسکول جائے گا' اتنی اوقات تیری' نشنی کا بچہ' چرسی کی اولاد' تیں پڑے گا۔ افسر لگے گا کل سے ریڑھی کے ساتھ جا اور چھولے بیچ' سمجھا' اوری' چھوری' وہ چادر لا میں تجھے اس کی دو اوڑھنیاں بنادوں کل سے تو بھی میرے ساتھ کام پہ نکل۔"

♥ ♡ ♡ ♥

اور یہ کہانی ہے نورین کی۔

یہ ٹھیک ہے کہ نورین بھی ایک شادی شدہ عورت ہے وہ بھی ایک ماں ہے اس کی عمر بھی ستائیس اٹھائیس سال ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس کی اور چھاتاں کی کہانی کو آپ ایک جیسا سمجھ لیں۔

نورین نے تھرڈ ڈویژن میں بی اے کر رکھا ہے' وہ سلائی کڑھائی' کھانا پکانا جیسے امور خانہ داری میں طاق ہے۔ اس کے باپ نے اچھرے میں کپڑے کی دکان کھول رکھی ہے' جب کہ جوانی کے پندرہ سال اس نے کویت میں لگائے اور ڈیزل' گریس اور پسینے کی بو سے بسے ریالوں سے دونوں بیٹیاں بیاہیں۔ نورین کی بڑی بہن شاہین بیاہ کر فیصل آباد چلی گئی اور خود نورین مزنگ کے پُررونق بازار کی دکانوں کے اوپر بنے چھوٹے سے تنگ و تاریک مکان میں چلی آئی۔ اس کا شوہر فاروق گورنمنٹ سیکنڈری اسکول میں ٹیچر ہے۔ شام کو وہ گلبرگ کے ایک مہنگے کوچنگ سینٹر میں بھی کلاسز لیتا ہے اس کی اصل کمائی یہی ہے گورنمنٹ جاب کی تنخواہ پر اکتفا کرتا تو مہینے کے پندرہ دن فاقے ہی کرنے پڑتے۔ اب بھی اس کی دگنی محنت اور بیوی کی سمجھ داری و کفایت شعاری کے باوجود کھینچ تان کے ہی گزارا کرنا پڑتا ہے۔ حالانکہ مکان اپنا ہے اگرچہ چار کمروں کے مکان کے درمیان موجود مختصر سا پکا صحن اسے دو دو کمروں میں تقسیم کرتا ہے سامنے والے حصے میں نورین کا جیٹھ اپنی مختصر سی فیملی کے ساتھ رہتا ہے اور بقایا دو کمرے ان کے پاس ہیں۔ تین بچوں کے ساتھ فقط یہ دو کمرے ناکافی محسوس ہوتے ہیں لیکن کرائے کے جھنجھٹ سے تو آزادی ہے۔ ایک سر ہے جس کے لیے صحن کے اوپر گرل کی چھت لگا کے کمرے کی شکل دے دی گئی ہے۔ دھوپ اور بارش سے بچاؤ کی خاطر گرل پہ ترپال ڈال دی جاتی ہے۔ یہی اس کا ٹھکانا ہے۔ ساس کا ساتھ اس کی شادی کے ابتدائی دو سال تک ہی رہا لیکن ان دو ہی سالوں میں وہ اپنے ہونے کا بھرپور احساس دلا گئی۔ شاید اسے بھی پتا تھا کہ اس کے دن تھوڑے ہی رہ گئے ہیں اور اسے جو کرنا ہے ان ہی دنوں میں کرنا ہے لہٰذا اس نے اپنا رول بخوبی ادا کیا۔

اس کا جیٹھ ان مردوں میں سے تھا جو بظاہر بیویوں پہ حاوی نظر آتے ہیں' مگر درحقیقت ان کی ڈوران کی بیویوں کے ہاتھ ہی ہوتی ہے۔ اس کی آواز ہمیشہ بلند رہتی تھی۔ گھر میں داخل ہوتے ہی وہ ادھر ادھر چیزوں کو ٹھوکریں مارتا آگے بڑھتا۔ بیوی کے پھوہڑپن اور بدسلیقگی۔ کو کوستا' کھانے میں ہزار نقص نکالتا کسی نہ کسی بات پہ الجھ کے دو چار گالیاں نکالتا۔ اپنی مردانہ اور شوہرانہ اداؤں اچھی طرح دکھا لینے کے بعد ٹھنڈا پڑتا تو بیوی سے اگلے دن کی تمام ٹیوشن لیتا۔ سارے سبق پڑھتا اور ایک اچھے شوہر کی طرح ان پہ عمل کرتا۔ اس کی بیوی نے کبھی دونوں بھائیوں کے درمیان اچھے تعلق نہیں قائم ہونے دیے۔ کہنے کو وہ ان کی اپنی برادری کی ہے۔ چچازاد مگر خون کے رشتوں پہ اس نے ہمیشہ سسرالی رشتوں کو اہمیت دی اور سسرالیوں سے کیسا حسنِ سلوک رکھا جانا چاہیے۔ اس کی تربیت اسے

اپنی ماں سے جو ملی تھی وہی وہ نباہ رہی تھی۔
ان کا کاروبار خاصا چلتا تھا' بیٹا بھی ایک ہی تھا یعنی چھوٹے بھائی کی نسبت خاصے خوشحال تھے' دونوں کمرے ہر طرح کی سامان آسائش سے بھرے پڑے تھے۔ چاہتے تو اچھا خاصا مکان لے کر الگ رہ سکتے تھے لیکن صفیہ بی بی کا خیال تھا کہ جائیداد سے حق نہیں چھوڑنا چاہیے۔ الگ رہنے کا مطلب ہے کہ اس مکان سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ چنانچہ وہ مکان کے بکنے اور اپنا حصہ ملنے کے انتظار میں ان ہی دو کمروں میں ٹھنسے پڑے تھے۔ لیکن نورین کے سسر حاجی نور الدین صاحب بھی کوئی احمق نہ تھے کہ اپنی زندگی میں ہی یہ واحد جائیداد بیچ کے دونوں بیٹوں میں بانٹ دیتے اور اس چھلنی نما چھت سے بھی محروم ہو جاتے۔ اس گھر کے قانونی مالک ہونے کے باوجود یہاں ان کے لیے جگہ بس ایک چارپائی برابر ہے تو بھلا بیٹیوں کے گھر کتنی ملے گی۔

ان کی دو وقت کی روٹی بھی دونوں بیٹوں میں بٹی ہوئی ہے' دوپہر کی صفیہ کے ذمے تو رات کی نورین کے۔ صفیہ بھی ایک نمبر کی خرانٹ ہے' سجا دو رات کا کھانا گھر پہ کھاتا ہے اس لیے رات کے کھانے میں خوب اچھی چیزیں بنا لیتی ہے دوپہر کو وہ پکانے کا تردد نہیں کرتی' کبھی لسی' کبھی چٹنی' کبھی پکوڑے بنا لیے۔ یہی کھانا سسر کے آگے رکھ کے دونوں ماں بیٹا رات کا بچا سالن گرم کر لیتے۔ نورین باورچی خانے سے کھانے کی ٹرے لے کے سسر کے سامنے سے گزرتی تو انہیں تندور کی سخت روٹی لسی میں ڈبوتے دیکھ کے سخت شرمندگی محسوس کرتی لیکن فاروق کے ڈر سے چپ چاپ کھانا لیے اندر آجاتی کہ اس کے خیال میں اس وقت کی ذمہ داری ان لوگوں کی نہیں اگر آج وہ کھانا دے دیں گے تو بھابھی کل سے ہی ہاتھ کھینچ لیں گی۔

عجیب بے حس تھے دونوں بھائی' ایک بوڑھے آدمی کا ایک وقت کا کھانا ہوتا ہی کتنا ہے جسے وہ وجہ تنازعہ بنائے ہوئے تھے۔ بہرحال دن کو شوہر کی غیر موجودگی میں وہ حاجی صاحب کو چائے' شربت پھل پوچھ لیا کرتی تھی۔ بدلے میں اسے جو دعائیں ملتیں وہ صفیہ کو اور کلساتیں' ان ناز برداریوں کو وہ مکان ہتھیانے کے گر جانتی اور مزید سختی سے اپنا مورچہ سنبھال لیتی۔

فاروق کو اگر ہماری تمہاری نظر سے دیکھیں تو خاصا معقول شوہر نظر آتا ہے۔ بے ضرر سا' خاموش طبع' مختی' گالم گلوچ کی اس کی عادت نہیں' اونچی آواز اس کی نکلتی نہیں۔ ہاتھ اٹھانا تو دور کی بات ہے لیکن منہ ہی منہ میں بڑبڑاتے ہوئے وہ کیسی کیسی نوکیلی باتیں کہہ جاتا ہے یہ صرف نورین ہی سن پاتی ہے۔ اس کا واحد ٹارگٹ نورین کے بے چارے گھر والے ہیں جو سات محلے پرے رہتے ہیں لیکن فاروق کی نکتہ چینیوں سے محروم نہیں۔ یوں بھی اسے "داماد" یا "جوائی" بن کے رہنے کا بڑا شوق ہے اتنا کہ پچھلے آٹھ سالوں میں یہ اترنے کی بجائے مزید بڑھتا چلا جا رہا ہے۔

ہر ہفتہ دس دن بعد وہ نورین کے سر ہو جاتا ہے کہ بچے لے کے میکے ہو آؤ' وہ بے چاری جز بز ہوتی رہتی' جانتی تھی کہ واپسی پہ وہ ہمیشہ اس کے لدے پھندے ہونے کی توقع رکھتا ہے جب کہ وہ ماں باپ کو نوچ کھسوٹ کے اب تنگ آچکی تھی۔ پچھلے آٹھ سال میں وہ ہر عید' شب برات حتی کہ بچوں کی سالگرہوں پر پوری فیملی کے کپڑے' تحائف دیتے چلے آرہے ہیں۔

ہر بچے کی پیدائش ننھیال میں ہوئی ہے یعنی تمام خرچہ انہوں نے ہی اٹھایا ہے' ویسے بھی وہ مہینے دو مہینے بعد چکر لگا لیتے تو کچھ نہ کچھ لیتے آتے۔ لیکن فاروق کو یہ بھی ناکافی لگتا' وہ اٹھا اٹھا کے ہر چیز بغور دیکھتا اور سو سو کیڑے نکالتا۔ بچوں کے نئے کپڑوں پہ اسے سالوں کے بچوں کی اترن کا گمان ہوتا۔ اپنے لیے لائے سوئیٹر اور شرٹیں اسے لنڈے کی لگتیں' یہ الگ بات کہ وہ خود اور اس کے بیوی بچے عموماً" انہی کپڑوں میں ملبوس نظر آتے کہ اس کی اپنی تنخواہ' کچن' بجلی' پانی کے بل' اسکول کی فیس اور خود اس کے آنے جانے کے کرایوں کو پورا کرنے میں ہی کافی ہو جاتی' شاپنگ اور وہ بھی اس قدر "غیر ضروری" ناممکن ..... یہ تو اس کے میکے

کی خوشحالی تھی کہ عید بقرعید پہ اس کے بچے نئے کپڑوں میں نظر آتے۔ خاندان میں ہونے والی تقریبات میں بھی اس کا بھرم رہ جاتا اور تب اس کا کلیجہ جل جاتا جب فاروق اپنے یہ پسندیدہ ترین فقرے دہراتا۔

"لوگ کیا کیا نہیں کرتے بیٹیوں کے لیے' میکے والے تاعمر سہارا دیتے ہیں' یہاں یہ معاملہ ہے کہ خود تو گھر میں دو دو اے سی لگا رکھے ہیں بیٹی کی پروا ہی نہیں' نا ہی اس کی اولاد کی جو ساری گرمی میں جسم گلا لیتے ہیں اور وہ تمہارے بھائی اپنے بچے اونچے اسکولوں میں داخل کرا رکھے ہیں۔ سن کے بچوں کی فیسیں کہاں سے پوری ہوتی ہیں۔ کبھی سوچا انہوں نے باپ تمہارا روز گاڑی میں بیٹھ کے دکان جاتا ہے' کیا اتنا نہیں کر سکتا کہ داماد کو کوئی سیکنڈ ہینڈ اسکوٹر ہی خرید دے' خون سفید ہو گیا ہے تمہارے گھر والوں کا۔"

وہ دل ہی دل میں کلستی چپ چاپ سن لیتی۔ اس کے تین بھائی کماتے تھے اور باپ بھی ابھی ریٹائرمنٹ کی عمر میں نہیں آیا تھا' ظاہر ہے خوشحالی اور فراغت ہونی ہی تھی' لیکن ایسی روپے کی ریل پیل بھی نہیں تھی کہ لٹاتے پھرتے۔ اپنے طور پہ انہوں نے بہنوں کی شادیوں پہ دل کھول کے جہیز دیا تھا۔ نورین کی شادی بارہ سال پہلے ہوئی تھی۔ لیکن نورین کی شادی پہ وقت کے تقاضے کے مطابق انہوں نے الیکٹرک سامان زیادہ تعداد میں دیا تھا۔ ٹی وی' فریج' واشنگ مشین' ڈیک' فرنیچر بھی ضرورت کے مطابق مکمل تھا۔ زیور بھی پورے پندرہ پندرہ تولے پڑا تھا دونوں بہنوں کو لیکن فاروق۔۔۔ آئے دن اسے اپنی پہلی منگنی کے ختم ہونے کا قلق ستاتا رہتا۔ وہ بچپن سے اپنی پھوپھی زاد نگینہ سے منسوب تھا۔ پہلے ہی اس فربہ اندام کم قامت احمق سی دکھنے والی منگیتر میں کوئی کشش محسوس نہ ہوتی تھی اور جب گورنمنٹ اسکول میں ٹیچر تعینات ہوتے ہی نگینہ کے تیسری بار میٹرک میں فیل ہونے کی خبر سنی تو ماں سے لڑ جھگڑ کے یہ منگنی تڑوالی۔ وہ کسی کم پڑھی لکھی لڑکی سے شادی پہ تیار نہ تھا اسی لیے اس کی ماں نے بی اے پاس سلجھی ہوئی باوقار سی نورین کو پسند کیا۔ تب فاروق بھی خوش تھا۔ ابتدائی دو ڈھائی سال کچھ ہلکی پھلکی تلخی کے باوجود خوشگوار تھے۔

اگرچہ فاروق کے ظاہری کردار کا پردہ جلد ہی چاک ہو گیا تھا اور اس کے اندر کا وہی پرانا' کونے کھدروں سے اعتراض ڈھونڈ ڈھونڈ کے لانے والا اور سسرال کے مال پہ نظر رکھنے والا مرد جاگ گیا تھا۔ پھر بھی گزارا ہو ہی جاتا تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے غیر مطمئن بہرحال نہیں تھے لیکن جب سے نگینہ کی شادی ہوئی تھی۔۔۔ اور فاروق نے اس کے جہیز میں ملنے والی چمچماتی گاڑی اور دس مرلے کے پلاٹ کا ذکر سنا تھا' وہ اپنا سر پیٹ پیٹ کے اپنی جلد بازی پہ پچھتاتا اور غلط فیصلے کو کوستا۔ نورین کھٹے عام یہ بھرے سن سن کے شرمندہ ہوتی رہتی اور جب سے نگینہ بیوہ ہو کے آئی تھی وہ مزید سہم گئی کہ اب اس کے پاس مرحوم شوہر کا چھوڑا ہوا ترکہ بھی تھا۔ اور اگر [illegible] خدانخواستہ۔۔۔ وہ لوٹ جاتی اور اپنی ساری [illegible] پیٹ کے بی اے کی ڈگری کے ساتھ ہی [illegible] کا سامان کرتی۔

[illegible] وہ تین دن رہنے کے بعد اپنے گھر واپس [illegible] اور حسب سابق لدی پھندی تھی گھی کانسٹر' [illegible] پیٹ' مرغیاں' انڈے' جیم اور لیچھ کی [illegible] جن میں لہجے لگانے کے بعد اب وہ بھابیوں کے دل سے اتر کے ان کے سوت پھیلائے بیٹھی تھی کہ کس طرح انہیں فٹ کر کے اپنے سپنے کے قابل بنائے کہ اس کی خالہ ساس نرگس خاتون آگئیں۔ ان کا بطور خاص اپنے کمرے میں آنا محسوس کر کے وہ ٹھٹکی' وہ بھی چند ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد جلد ہی مطلب کی بات پہ آگئیں۔

"آئے ہائے نورین! اچھی بھلی سمجھدار ہو' تم سے ایسی بے وقوفی کی امید نہیں تھی مجھے۔ کیسے مرد کو بے مہار چھوڑا ہوا ہے۔ مانا کہ فاروق بیباکچہ ہے لیکن مرد کو بدلتے کیا دیر لگتی ہے خاص طور پر جب بیوی جانتے بوجھتے اندھی اور گونگی بہری بنی ہو۔"

"لیکن ۔۔۔ میں نے کیا کیا ہے خالہ جان؟" وہ حیران تھی۔

"بیٹی تم نے تو کچھ نہیں کیا لیکن تمہارے بھولپن اور سادگی سے فائدہ اٹھا کے وہ حرافہ نگینہ تمہارے میاں کو خوب جکڑ رہی ہے آج کل۔" وہ اس کی لاعلمی پہ افسوس سے سر ہلاتے ہوئے بولیں۔

"کیا مطلب؟ فاروق کو۔۔۔؟ نہیں نہیں خالہ جان آپ کو غلط فہمی ۔۔۔"

"کیسی غلط فہمی بی بی۔" وہ بات کاٹ کے بولیں۔ "بلکہ تمہیں خوش فہمی ہے اپنے میاں کے بارے میں۔ ارے بچپن سے جانتی ہوں اسے جتنا زمین کے اوپر ہے اتنا ہی زمین کے اندر۔ گھنا چینا ہے بالکل۔ کچھ بھی ایسی باتیں کہاں چھپتی ہیں۔ پوری برادری میں چرچا ہے کہ آج کل فاروق میاں بلاناغہ نگینہ کے گھر کے چکر لگاتے ہیں۔ اچانک ہی پھوپھی کی محبت امڈی چلی آرہی ہے۔ ڈاکٹر کے ہاں جانا ہو۔ بل جمع کرانا ہے۔ کرایہ داروں کا کوئی مسئلہ ہو۔ فون سے بات کرنی ہو۔ جھٹ اس کے اسکول فون کیے جاتے ہیں اور وہ خبیث بھی سارے کام چھوڑ چھاڑ ان کی خدمت میں حاضر ہو جاتا ہے۔ اچھا خاصا تماشہ بنوا رہا ہے خاندان بھر میں کہ مشتری ہوشیار باش۔ اپنی اکلوتی بیوی کو تو لیے اب کسی گھر داماد کو بھگتنے کے لیے۔ میں تو تمہیں ہوشیار کرنے آئی تھی کہ بی بی اپنے مرد کو نکیل ڈالو ماتا کہ اس نگینہ کے پلو سے بندھا نہیں لیکن فی زمانہ پیسے کا چارہ بھی بہت ہوتا ہے کسی بھی آدمی کو دیوانہ کرنے کے لیے۔"

وہ برقع سنبھال کر چل دیں اور نورین سر پکڑ کے بیٹھ گئی۔ ابھی تو طبیعت پہ پھپھی کی اور کوفت بھی دور نہیں ہوئی تھی کہ یہ ایک نئی الجھن وہ پہلے ہی اس قدر الجھی ہوئی تھی میکے میں تین دن گزار کے۔ اتفاق سے اس کی بہن شاہین بھی ان ہی دنوں وہاں آئی ہوئی تھی اور اس کی آؤ بھگت نے نورین کو ناسمجھ سی خفت میں مبتلا کر دیا تھا۔

اسے ہر پل یہ لگتا جیسے بھابھیاں اپنی دونوں نندوں کا موازنہ کر رہی ہوں اور ظاہر ہے کہ اسے اپنا پلڑا بے حد ہلکا محسوس ہوتا۔ اپنی فطرت اور خواہش کے عین خلاف، محض شوہر کے ماتھے کے بل دور کرنے اور گھر گرہستی بچانے کی خاطر باپ بھائیوں کے آگے ہاتھ پھیلا پھیلا کے وہ اپنا اعتماد کھو چکی تھی۔ اس کی شخصیت سے خود اعتمادی رخصت ہو چکی تھی۔ اب اس کی جگہ ایک کھسیانی سی مسکراہٹ، من من کرتی آواز میں ضرورتیں بیان کرتی اور ممنون و مشکور نگاہوں والی عورت نے لے لی تھی۔

وہ رشک سے شاہین آپا کو بھابیوں سے چہلیں کرتے، بھائیوں کو ان کی لاپروائی پہ ٹوکتے دیکھتی رہی۔ کیسے وہ بیگ بھر کے سب کے لیے فیصل آباد سے لان کے خوبصورت سوٹ لائی تھیں۔ کتنے استحقاق سے جاتے وقت بھائی کے بچوں کو نقدی تھما کے گئی تھیں ایسی نندوں کی تو چار کزنوی باتیں بھی بھابیاں ہنس کے سن لیتی ہیں۔ اور وہ۔۔۔ وہ جتنے دن رہتی، ماں کے کمرے تک محدود رہتی۔ کوئی بھابھی اسے پاس بٹھا کے خوش گپیاں نہ لگاتی۔ کوئی شاپنگ پہ ساتھ نہ لے جانا چاہتی وہ الٹے بڑھ بڑھ کے کچن کے کام کرتی کوئی ٹوکا بھی منع نہ کرتا اور مروتاً بھی شکریہ ادا نہ کرتا۔ جب کہ شاہین آپا کو کسی نے نل کے پانی تک نہ پینے دیا تھا۔ اسے اپنی بے وقعتی اور کم مائیگی کا احساس کچوکے لگا رہا تھا۔ ان سب کی وجہ وہ فاروق کی حرکتیں طبیعت کو کرداتی ہوئی سخت کبیدہ ہو رہی تھی۔ اب نگینہ خالہ کی اطلاعات نے اسے مزید سلگا دیا اور فاروق کے آتے ہی اس سے جواب طلبی کرنے کھڑی ہو گئی۔

"ہاں جاتا ہوں۔۔۔ تو پھر۔۔۔؟" اس کی توقع کے خلاف وہ فوراً ہی بولا تو وہ ٹھنڈی پڑ گئی۔ اس کا تو خیال تھا کتنا لڑ جھگڑ کے ہی وہ اس سے یہ بات اگلوا سکے گی۔

"کیا مطلب پھر۔۔۔؟ آپ کا کیا کام ہے وہاں، ٹھیک ہے وہ آپ کی پھوپھی کا گھر ہے لیکن وہاں کوئی مرد نہیں رہتا۔ اور آپ کا جانا کسی طور مناسب نہیں ہے۔ وہ بھی اس طرح کہ پچھلے کئی سالوں سے دونوں

گھرانوں کا میل جول برائے نام ہی رہ گیا تھا' پھر ایکا ایکی نگینہ کے دوبارہ آجانے کے بعد آپ کے وہاں پھیرے لگانے کا کیا مطلب نکلتا ہے۔؟"

"یہی ہے کہ میرا اس سے معاشقہ ہے۔ ہے نا' بے وقوف عورت میں اسے کسی قابل سمجھتا تو پہلے ہی کیوں منگنی تڑواتا۔ اکیلی عورتیں ہیں اسی لیے تو جاتا ہوں' آخر رشتہ داری ہے۔ مشکل وقت میں اپنے ہی کام آتے ہیں۔" اس نے ٹالا۔

"آپ کے سوا بھری دنیا میں کوئی اور اپنا نہیں ان کا۔" وہ بھری بیٹھی تھی۔

"بڑی زبان چل رہی ہے' آخر کیوں نہ چلے تین دن میکے والوں نے خوب ٹرنک صاف کیے ہوں گے' اچھی چابی بھری ہوگی۔ ہاں بھئی ان کے پاس اور ہے بھی کیا۔ بیٹی کو دینے کے لیے نہ تربیت نہ نصیحت اور نہ ہی پیسے۔ بس یہ گر سکھا دیتے ہیں کہ کس طرح شوہر کے ناک میں دم کیے رکھنا ہے۔" وہ اپنے پسندیدہ موضوع پر آگیا وہ کڑھتی ہوئی کچن میں چلی گئی لیکن اس کے بڑبڑانے کی آوازیں اس کا پیچھا کرتی رہیں۔ وہ تھی ہی دیر لیٹا بچوں سے گفتگو کے دوران اسے سنانے کو جلی کٹی باتیں کرتا رہا جن کا مطلب وہ بخوبی سمجھتی تھی۔

چند ہی دن بعد وہ اس کے سر ہو گیا کہ وہ اپنے باپ سے پچاس ہزار روپیہ لے کے آئے تاکہ وہ محلے میں کوئی پورشن کرائے پر لے کے بڑے پیمانے پہ اکیڈمی کھول سکے۔

"پچاس ہزار۔۔۔ آپ کا دماغ تو ٹھیک ہے' وہ کیوں دیں گے اتنی بڑی رقم۔" وہ اس کا نیا مطالبہ سن کے اچھل پڑی۔

"بڑی رقم۔۔۔ یہ بڑی رقم ہے۔ پورشن کا ایڈوانس اور سیکورٹی دینے میں ہی آدھی رقم لگ جائے گی کچھ ضروری فرنیچر وہ بھی سیکنڈ ہینڈ آئے گا اور ظاہر ہے پبلسٹی پہ بھی کچھ نہ کچھ پیسے لگیں گے پمفلٹ چھپیں گے' بینر لگیں گے چوک میں۔" اس نے خرچہ گنوایا۔

"لیکن اس کی ضرورت کیا ہے؟"

"تو کیا ساری عمر گھر گھر جا کے بچے پڑھاتا رہوں' یہ اکیڈمیوں والے ہزاروں روپے فیس لیتے ہیں اور اتنا سر کھپانے والے ٹیوٹرز کو ملتا ہی کیا ہے۔ بس میں نے فیصلہ کر لیا ہے اپنی اکیڈمی کھولوں گا۔ تم پڑھی لکھی ہو کے بھی یہ بات نہیں سمجھتیں کہ زندگی میں ہر دم آگے بڑھنے کی سوچ رکھنی چاہیے۔ تم تو کنوئیں کا مینڈک بن کے زندگی گزارنا چاہتی ہو ساتھ ہی مجھے اور بچوں کو بھی گھٹ گھٹ کر جینے کا سبق دیتی ہو۔ تم سے تو وہ میٹرک پاس نگینہ عقل مند ہے اسی نے یہ آئیڈیا دیا ہے۔"

"اوہ تو یہ خناس اس نے بھرا ہے بھلا اسے آپ کے برے بھلے سے کیا مطلب؟"

"اسے میرا خیال ہے' اسی لیے تو اتنی فکر کرتی ہے۔ کیا کچھ نہیں کیا میں نے اس کے ساتھ' اسے کم صورت اور جاہل ٹھہرا کے برسوں پرانی منگنی توڑی جس کے ازالے کے لیے پھوپھا جان نے جلد بازی میں اس کی شادی ایک بیمار شخص سے کر دی اس کے باوجود اتنی صاف طبیعت ہے کہ ابھی بھی میرے لیے سوفٹ کارنر رکھتی ہے۔ بلکہ اس نے تو یہاں تک پیش کش کی ہے کہ شوہر کے ترکے میں ملنے والا مکان وہ میرے لیے کرایہ داروں سے خالی کروا سکتی ہے۔"

"اور اس کے لیے اس نے شرط کیا رکھی ہے۔؟"

دل ہی دل میں لرز جانے کے باوجود وہ کمال حوصلے سے لہجے پہ قابو پا کے سکون سے بولی تو اپنی رو میں کہے جانے والا فاروق گڑبڑا گیا۔

"کیسی شرط۔۔۔ کوئی شرط نہیں۔" اس کا رنگ اڑ گیا۔ "میں نے تو اس کی پیش کش شکریہ کے ساتھ لوٹا دی' یہ کہہ کر مجھے اپنے طور پر کوشش کرنے دو۔ کچھ نہ بن پایا تو پھر سوچا جا سکتا ہے۔ ٹھیک کہا ناں میں نے' تم جو ہو میری مدد کے لیے تو مجھے اوروں کی طرف دیکھنے کی کیا ضرورت ہے۔" اس نے اسے موم کرنا چاہا۔

"لیکن میرا تقریباً" مارا زیور تو آپ بہت پہلے بیچ چکے ہیں' اپنے کوئی پرانے قرضے اتارنے کے سلسلے میں۔ اب تو یہ گلے کی چین' کانوں کی بالیاں اور بری کا ایک ہلکا سا جڑاؤ سیٹ ہے ڈیڑھ دو تولے کا' یا پھر بچیوں

کے ٹاپس ہیں جو پچھلی سالگرہ پہ امی نے دیے تھے۔ کل ملا کے بیس ہزار کے بھی نہ بنیں گے۔"

"اور وہ کڑے جو تمہارے بھائی نے اپنے بیٹے کی خوشی میں تمہیں چڑھائے تھے۔" اس نے کریدا۔

"آپ جانتے ہیں وہ میں نے بینک میں رکھوائے ہیں، عینی اور رانی کے لیے، ویسے بھی آپ یقین کیجیے سارا زیور بیچ کے بھی پچاس ہزار نہیں بنیں گے۔"

"تو مت بیچو، ضرورت بھی کیا ہے ہاتھ، کان ننگے کرنے کی۔ اپنے ابو سے مانگو، بھائیوں سے کہو، پچاس ہزار ان کے لیے کیا بڑی بات ہے اور پھر میں کون سا روز مانگنے جاتا ہوں، پہلی بار ضرورت پڑی ہے۔"

"ہونہہ، پہلی بار۔" وہ بڑبڑائی تو انتہا درجے کے سکون کے ساتھ نیم دراز فاروق پہلی بار بھڑکا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا، کیا کہنا چاہتی ہو۔ تمہارے اور بچوں کے لیے ہی مانگ رہا ہوں اپنی عیاشی کے لیے نہیں۔ مجھ سے اب بسوں دیگنوں کے دھکے کھا کے سو دو سو کی ٹیوشن پڑھانے نہیں جایا جاتا۔ سکون کی زندگی گزارنا چاہتی ہو تو کل ہی بچے لے کے میکے چلی جاؤ۔ لڑ کے، جھگڑ کے، منت کر کے کسی بھی طرح رقم لاؤ، تمہارے اپنے بھائی ہیں، کوئی غیر نہیں جو مانگتے ہوئے تمہیں اتنی تکلیف ہو رہی ہے، ان کی کمائی پہ تمہارا بھی حق ہے بلکہ بیٹیوں کا حق ساری عمر رہتا ہے۔ اپنا حق منواؤ کسی بھی طریقے سے۔ میں ایک ہفتہ انتظار کروں گا پیسے لا سکو تو ٹھیک ہے ورنہ وہیں رہ جانا۔ مجھے دوسری جگہ سے رقم مل ہی رہی ہے پھر کیا ہوا اگر وہ چند شرطیں بھی لگا دیں گے تو۔" اس نے کروٹ لی اور سونے کی تیاری کرنے لگا۔

تیاری تو وہ بھی کر رہی ہے، صبح پھر سے میکے جانے کی۔

"امی! آپ پھر سے بیگ بھر رہی ہیں۔ ہم پھر نانو گھر جائیں گے۔" عینی نے پوچھا۔

"ہاں بیٹا! تم درخواست لکھ دو اسکول دو دن کی چھٹی کی۔"

"نہیں امی، ہم وہاں نہیں جائیں گے، ماما یاں ہر وقت ڈانٹتی رہتی ہیں۔ ریموٹ اٹھاؤ تو گھورتی ہیں اس دن تو اتنی زور سے چھینا میرے ہاتھ سے کہ ان کا لمبا ناخن مجھے چبھ گیا۔" رانی بسوری۔

"تو بیٹا آپ کیوں کسی کی چیزیں چھیڑتی ہیں۔ کسی کے گھر جا کے آرام سے بیٹھتے ہیں۔ ادھر ادھر فضول ہاتھ نہیں مارا کرتے۔" اس نے سمجھایا۔

"لیکن آخر ہم کیوں جاتے ہیں اتنے اتنے دن وہاں رہنے۔ اتنے دن تک کیسے کسی چیز کو ہاتھ لگائے بغیر رہ سکتے ہیں۔" اس کی بیٹی نے نکتہ اٹھایا۔

"اور ہاتھ نہ لگائیں تب بھی ڈانٹ تو پڑتی ہی ہے۔ اس دن میں نے ناشتہ میں پراٹھا مانگا تو بڑی مامی غصے سے کہنے لگیں سوکھی روٹیاں کھانے والے یہاں آ کے کتنے چٹورے ہو جاتے ہیں۔ اتنی انسلٹ فیل ہوئی مجھے۔" عینی اس کی طرح ضرورت سے زیادہ حساس تھی۔ وہ کٹ کے رہ گئی۔ اتنا رکیک جملہ میری اولاد کے لیے۔

"اور مانی کو تو ٹیپو اور بلو ہر وقت مارتے رہتے ہیں۔ اسے اپنے کھلونے دکھا کے چڑاتے ہیں، وہ تو بچہ ہے رو رو کے مانگنے لگتا ہے تو... تو... سب تالیاں بجاتے ہیں... اور کہتے ہیں... فقیر... فقیر آئے ہیں ہمارے گھر..." عینی نے اٹک اٹک کے بتایا تو وہ جہاں کی تہاں رہ گئی پھر کچھ سوچ کے مسکرائی۔

"کوئی بات نہیں بیٹا! مارتے ہیں تو مار کھا لیا کرو۔ فقیر کہتے ہیں تو سن لیا کرو... انسلٹ کرتے ہیں تو... سہہ لیا کرو... اچھا ہے عادت پڑ جائے گی۔ بڑی ہو کے تمہیں یہ سب اتنا مشکل نہیں لگے گا جتنا مجھے لگ رہا ہے۔" اس نے بیٹی کے آنسو صاف کیے۔

♥ ♡ ♡ ♥

اور یہ کہانی تو پھاتاں اور نورین جیسی ہو ہی نہیں سکتی کبھی بھی نہیں۔ کہاں پھاتاں جیسی گھر گھر کام کرنے والی نچلے درجے کی عورت، کہاں نورین جیسی خود اعتمادی سے محروم شوہر کی مرضی اور خواہش کو حرفِ اول جاننے والی متوسط طبقے کی عام سی عورت اور کہاں مسز مریم ٹوانہ جیسی گریس فل، خوبصورت،

بارعب ہائی سوسائٹی کی جانی پہچانی شخصیت رکھنے والی خاتون' جی ہاں یہ کہانی ہے مشہور سوشل ورکر مسز مریم ٹوانہ کی۔ سلک اور شیفون کی مہین ساڑھیاں پہنے' اونچی ہیل والی جوتی کے ساتھ بے دھڑک قدم اٹھاتی' لانبی دودھیا گردن کو مزید اونچا کیے۔ گندمی سنہری رنگت پہ کھل جانے والا تیز رنگ کا میک اپ کیے وہ کہیں سے بھی ایک جوان ہوتے بیٹے کی ماں نہ لگتیں۔

اگرچہ سکنگین ٹوانہ بزنس ٹائیکون سمجھے جاتے ہیں' خاندانی حوالہ بھی کم پرکشش نہیں اس کے باوجود مسز مریم ٹوانہ کی اپنی ایک منفرد اور مضبوط سماجی حیثیت ہے۔ وہ بھی کسی گرے پڑے خاندان کی تو ہیں نہیں البتہ ان کے سسرال کو سیاست کی وجہ سے ذرا زیادہ شہرت مل چکی تھی اور یہ بات وہ اچھی طرح جان گئی تھیں کہ بے تحاشا دولت سے زیادہ شہرت آپ کو زیادہ اہم بناتی ہے اس لیے انہوں نے ہر اس جگہ ہاتھ پیر مارے جہاں جہاں سے شہرت ملنے کی توقع تھی۔ انڈسٹریل ہوم' این جی او سے لے کر لیڈیز کلب اور ہیلتھ سینٹر تک قائم کیے۔ آئے دن اخبار کے فرنٹ پیج پہ نہ سہی اندرونی صفحات پہ کسی نہ کسی پارلر' بوتیک کا افتتاح کرتے ہوئے یا حقوق نسواں کے کسی ریمیں شرکت کرتے ہوئے ان کی تصویریں چھپی ہوتیں۔ فارغ عورتوں کی طرح انہوں نے بچے پہ بچہ پیدا کر کے اپنا غصہ نہیں نکالا تھا' ان کا ایک ہی بیٹا تھا سکندر ٹوانہ' جو اپنی اسکولنگ مکمل کرنے کے بعد آج کل گھر پہ پایا جاتا تھا وہ دونوں طے نہیں کر پا رہے تھے کہ اسے اسٹیٹس بھیجا جائے یا آکسفورڈ۔۔۔۔ اس فکر سے قطع نظر ایک اور الجھن نے بھی مریم ٹوانہ کو گھیر رکھا تھا۔

سکندر کے ساتھ ان کا تعلق بے شک اتنا ہی تھا جتنا کہ اس سوسائٹی کی کسی بھی ایکٹو کیریئر وومن کا اپنی اولاد سے ہو سکتا ہے لیکن گورنس کے حوالے کر دینے کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ بالکل ہی غافل ہو گئی ہوں۔ نجانے کیوں لوگ ان بیگمات کے بارے میں ایسے غلط تصورات رکھتے ہیں' بچوں کے لیے راتوں کو جاگنا' نیپی بدلنا' فیڈر بنانا' لوری سنانا' تھپک کے سلانا' ہوم ورک کرانا' یو نیفارم ٹانکنا' یہ سب وقت طلب اور مشکل ترین کام یقیناً" مصروفیت اور سہل پسندی کی وجہ سے وہ نہیں کرپاتیں لیکن ایسا نہیں کہ اپنی اولاد سے محبت ہی نہیں کرتیں یا فکرمند نہیں ہوتیں۔

بھلا محبت کرنے میں کون سے ہل جوتنے پڑتے ہیں اور فکر و ٹینشن سر پر سوار رکھنا تو ان بیگمات کی ہابی ہے۔ اس لیے مسز مریم ٹوانہ نہ صرف سکندر سے محبت کرتی تھیں بلکہ اب جب کہ پچھلے دو تین ہفتوں سے وہ مسلسل گھر پہ اپنا وقت گزار رہا تھا' وہ ایک نئی فکر میں مبتلا ہو چکی تھیں۔ شروع ہی سے سکندر کا رجحان غیر نصابی سرگرمیوں کی طرف کم ہی تھا۔ سوشلائیزیشن اپنے دوستوں اور مریم اپنے سرکل کی لیڈیز سے آئے دن ان کے مین ایج بچوں کے مختلف پرابلمز سنا کرتے۔ کسی کی بیٹی نیٹ چیٹنگ کے ذریعے ایک فراڈ کے ہاتھوں ٹریپ ہو گئی' کسی کا بیٹا اپنے مڈل کلاس دوست کی مہربانی سے اس گندے بازار کا راستہ دیکھ آیا کسی کی پندرہ سالہ بیٹی اسموکنگ کرنے لگی تو کسی کا چودہ سالہ بابا کوکین کی لت کا شکار ہو گیا۔ لیکن سکندر نے اب تک اپنے پیرنٹس کو کسی ناخوشگوار جھٹکے سے محفوظ رکھا تھا اسکول کے بعد ٹیوشن دو گھنٹے لیتا اس کے بعد وہ جم خانہ چلا جاتا۔ اکثر باپ کی ملاقات وہیں اپنے بیٹے سے ہوتی' کبھی ٹینس کورٹ میں' کبھی اسنوکر ٹیبل پہ اور کبھی سوئمنگ کرتے ہوئے۔ وہ اس کی ایکٹیویٹیز سے مطمئن تھے لیکن اب مریم اسے دن کا بیشتر حصہ گھر میں گزارتے دیکھ کر بے چین ہو جاتی' شام کو وہ جم خانہ اب بھی باقاعدگی سے جاتا' ہفتے میں ایک دو بار فرینڈز کے ساتھ آؤٹنگ پہ بھی چلا جاتا لیکن باقی وقت لاؤنج میں صوفے پہ نیم دراز چینل سرچنگ میں گزارتا۔ دن کو گیارہ بارہ بجے جب مسز ٹوانہ اپنی سیلولیس مہین سی نائٹی میں ملبوس' چہرے پہ ماسک لگائے بیڈ روم سے برآمد ہوتیں اور چلا کر ڈرائیور کو آج کے شیڈول یاد کراتیں۔ وہ ناگواری سے

ان کے حلیے کو دیکھتا۔

"ماما پلیز۔۔۔ فار گاڈ سیک یوں نوکروں کے سامنے۔۔۔ پلیز اندر جائیے۔" اسے مسٹنڈے ڈرائیور کے سامنے ماما کا یوں کیئر فری ہو کے نکلنا پسند نہ آتا' جب کہ وہ شاید یہ سمجھتی تھیں کہ یہ شوفر بٹلر مالی۔۔۔ یہ سب پتلے ہیں۔ ان میں وہ مخصوص مردانہ جس تو ہے نہیں۔ یہ سب تو جیسے ان کے زر خرید غلام تھے۔ لیکن سکندر کو نجانے اتنی سی عمر میں بھی ان کے پیٹ کی بھوک آنکھوں تک آئی نظر آجاتی۔ شام کو جب وہ اپنے معمول کے دورے پہ نکلتیں' وہ عموماً گھر پر نہیں ہوتا تھا لیکن واپسی پہ وہ گڑبڑا جاتیں۔ جب اسے آدھی رات تک لاؤنج میں بیٹھا پاتیں' وہ لیتا کچھ نہیں تھا صرف ایک نظر ڈالتا تھا اور منہ پھیر لیتا تھا اور مسز مریم کو یوں لگتا جیسے اس ایک نظر نے ان کے گداز دودھ سے عریاں شانے اور بازو' مرمریں گردن سے کہیں نیچے تک عیاں ہوتے ابھار' پھنسے ہوئے مختصر بلاؤز کے نیچے اور اسٹائل سے باندھی گئی ساڑھی سے اوپر اشکارے مارتی لچک دار کمر۔۔۔ سب کو تھوک سے لتھڑ دیا ہو' وہ ساڑھی کے پلو سے جوان بیٹے کی نظروں سے بدن چراتے آگے بڑھتیں۔

"سنی ڈارلنگ! مائی چائلڈ۔۔۔ ابھی تک جاگ رہے ہو۔؟"

بدبو کا ایک بھبکا سا ان کے منہ سے نکلتا' ان کا ڈارلنگ چائلڈ کراہیت بھرے تاثرات کے ساتھ بدک کے پیچھے ہٹتا اور دھڑ سے اپنے کمرے کا دروازہ بند کر لیتا۔ اس کا یہ خاموش گریز چند ہی دن میں مریم ٹوانہ کو جھنجھلاہٹ کی انتہا تک لے آیا۔ سبکتگین سے بات کرنے کا فائدہ نہیں تھا۔ وہ مریم کی فیلنگز کبھی نہ سمجھ پاتا۔ جان ہی نہیں پاتا کہ اتنی مضبوط اور کانفیڈنٹ عورت ایک بچے سے خائف ہے۔ کیسے سمجھاتیں وہ اسے کہ ایک ماں جوان ہوتے بیٹے سے خائف ہے۔

"اور اس ساری سچویشن کے ذمہ دار بھی تم ہی تو ہو سبکتگین!۔" انہوں نے سوچا اور بے چینی سے سکندر کا ایڈمیشن جلد از جلد ہو جانے کا انتظار کرنے لگیں۔

بہنوں کا اپنا ماہنامہ

حنا

جنوری کا شمارہ سالگرہ نمبر شائع ہو گیا ہے

جنوری 2003ء کے شمارے کی ایک جھلک

مشہور اداکار سلیم شیخ سے ملاقات

اس ماہ کی شخصیت میں ہاکی کے کھلاڑی "کاشف جواد" کی دلچسپ باتیں۔

"تم کیا ملے" زمرنعیم کا دلکش مکمل ناول

خوبصورت رنگوں سے سجا ہوا سباس گل کا مکمل ناول "محبت رنگ بدلتی ہے"

"ابھی اسیر قفس میں ہیں" زرنین آرزو کا ناولٹ

"محبت ہمسفر میری" سمیرا شفیع کا ناولٹ

شازیہ خان' ثمرہ بخاری' منزہ ہاشمی' افسر سلطانہ' صاعقہ امین صبا اور رعنا سحاب کے افسانے

"دل بے چین سمندر" زرنین آرزو کا سلسلے وار ناول اپنے اختتام کی طرف۔

مریم ماہ منیر کا نیا سلسلے وار ناول "میری ذات ہمسفر میری"

اس کے علاوہ ابن انشاء کی برسی کے موقع پر جاوید اختر کی تحریر

پیارے نبی کی پیاری باتیں۔ انشاء نامہ' انٹرویو اور وہ سب کچھ جو آپ پڑھنا چاہیں۔

حنا کا سالگرہ نمبر آج ہی خرید لیں۔

آج انہیں ایک گرلز کالج میں ہونے والے تقریری مقابلے میں جج کے فرائض ادا کرنے تھے۔ "خواتین اور معاشرے میں ان کا مقام" جیسا سدا بہار موضوع تھا۔ وہ غیر حاضر دماغی سے لڑکیوں کے زور و شور سے ہونے والے مباحثے سنتی رہیں ساری توجہ اس تقریر کی طرف تھی جس کے رٹے کل سے لگا رہی تھیں۔ بڑے جوش سے وہ ڈائس پر آئیں۔

"آپ سب نے معاشرے میں عورتوں کے مقام کو اجاگر کرنے کے لیے کتنے دلائل دیے۔ کبھی ماں کے حوالے سے، کبھی بیٹی کی حیثیت سے، بیوی کے روپ میں، بہن کی حیثیت سے لیکن میں پوچھتی ہوں کہ عورت بحیثیت ایک عورت اپنا مقام کب پائے گی۔ کیا ماں، بیٹی، بہن بیوی اور محبوبہ ان رشتوں کے بغیر وہ کچھ بھی نہیں۔

اسے رشتے کے لیبل کے بغیر کیا کوئی عزت نہیں مل سکتی، کیا یہ ضروری ہے کہ وہ آپ کی بہن ہو، بیوی ہو یا بیٹی ہو تب ہی کوئی مرد اس کی اہمیت تسلیم کرے گا۔ اپنی طاقت کو عورت خود تسلیم کروا سکتی ہے اگر چاہے۔ یہ تب ہو سکتا ہے جب وہ اتنے بہروپ بدلنے کے بجائے صرف ایک مضبوط عورت کے روپ میں ابھرنا پسند ہے۔ میں یہ نہیں کہتی عورت کسی کی بیوی نہ بنے، ماں نہ بنے، ضرور بنے لیکن اپنی شناخت قائم رکھے۔ بیوی بن کر صرف شوہر کے لیے اپنی ہستی مٹا ڈالنا خود اپنے ساتھ ناانصافی ہے۔ خدا نے ایک الگ وجود کے ساتھ آپ کو پیدا کیا ہے، اسے شوہر کی پسند ناپسند کے سانچے میں ڈھالنا اپنی ذاتی شخصیت کے ساتھ ظلم ہے۔ باپ اس کے لیے جو رستہ پسند کرتا ہے وہ بیٹی ہونے کے ناتے چپ چاپ سر جھکا دیتی ہے۔ شوہر کو جو عادتیں ناپسند ہوں بغیر کسی مزاحمت کے ترک کر دیتی ہے۔ جس روپ میں دیکھنا چاہتا ہے۔ دھار لیتی ہے، حتیٰ کہ اس کا بیٹا۔ اس کا اپنا بیٹا جسے اس نے خود جنم دیا ہوتا ہے وہ بھی اسے اپنی پسند کے سانچے میں ڈھلا دیکھنا چاہتا ہے۔ ایک آئیڈیل ماں کے روپ میں۔ کس قدر افسوس کا مقام ہے وہ صرف اس لیے ان تمام رشتوں کے ہاتھوں مہربنی رہتی ہے کہ اسے ان سے محبت ہے۔ وہ کمزور نہیں۔ لیکن کمزور پڑ جاتی ہے، کیونکہ وہ یہ سہارے کھونا نہیں چاہتی۔ اپنا سہارا آپ بنیے۔ ایک مضبوط خود مختار اور خوددار عورت۔"

تالیوں کی گونج میں انہوں نے اپنا موقف بیان کیا۔ تحسین و داد کا یہ نشہ گھنٹوں ان کے حواسوں پہ چھایا رہا تاوقتیکہ رات کو سبکتگین اس سے باز پرس کرنے کھڑا ہو گیا۔

"کر دیا نا میرا کباڑا۔ میں تو رات ہی کہہ رہا تھا یہ مسٹنگینوں والا حلیہ بنا کے پارٹی میں جانے کیا ضرورت ہے، پھر تمہاری خاموشی سے یہ سمجھا کہ شاید یہ بھی کوئی ٹرینڈ ہو۔ ڈھیلا ڈھالا سا چغہ نما ڈریس لیکن وہاں ہمدانی کی تیسری بیوی کو کیٹ ونسلیٹ والا گاؤن پہنے دیکھ کر ہی میں سمجھ گیا یہ ڈیل میرے ہاتھ سے نکلی۔ اور یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔" نرم و شائستہ سے انداز میں بولنے والے سبکتگین کا یہ روپ صرف مریم کے سامنے عیاں ہوتا تھا اور وہ بھی کبھی کبھار۔

"ہوا کیا ہے؟" وہ جانتی تھیں کوئی مالی دھچکا ہی لگا ہوگا کہ ان کے شریکِ حیات کی خوشی، دکھ، غصہ سب اسی سے وابستہ تھیں۔

"ہونا کیا ہے، میں نے تمہیں پہلے بتایا تھا کہ اس پارٹی میں سب ہی ایڑی چوٹی کا زور لگائیں گے نئے کانٹریکٹ کے لیے خصوصاً" ہمدانی اور ظفر۔ ظفر سے تو مجھے خاص خطرہ تھا اس نے ابھی پچھلے ماہ کراچی کی ٹاپ ماڈل سے شادی کی ہے اور ہمدانی کی تیسری بیوی کے ہتھیاروں سے کون نہیں واقف پھر بھی تمہاری صلاحیتوں پہ اعتماد کرتے ہوئے میں نے تمہیں گائیڈ لائن نہ دی۔ ویسے بھی اتنے سالوں میں اب تمہیں خود Prepare ہونا چاہیے۔ لیکن تم نے تو سارے کیے کرائے پر پانی پھیر دیا۔ ملائی بن کے چلی گئیں۔ یہ نئے نئے تجربے اپنی کئی پارٹنر تک محدود رکھا کرو۔ میرے سرکل میں موو کرنے کے لیے وہی کرو جو میں کہتا ہوں۔"

"او گاڈ سبکتگین! تم کب اپنے پیروں پہ کھڑے

ہو گے۔ یہ سارا بزنس پیسہ جس پہ اتراتے پھر رہے ہو' اپنے بل بوتے پہ کیوں نہیں کماتے۔ کب تک بیوی کو سجا بنا کے دوسروں کے آگے بطور رشوت پیش کر کے کانٹریکٹ حاصل کرتے رہو گے۔" صبح کی گئی تازہ تازہ تقریر کا اثر سر چڑھ کے بول رہا تھا۔ ایک مضبوط' خود مختار۔۔۔ خوددار عورت۔۔۔

"واٹ ربش۔! میں تمہارے کاندھوں پہ سوار ہو کے یہ سارا بزنس ایمپائر چلا رہا ہوں' میرا بزنس سینس' بریلینٹ مائنڈ یہ سب کچھ بھی نہیں۔ ارے میں تو مٹی میں ہاتھ ڈالوں تو وہ سونا بن جائے۔ لائف پارٹنر ہونے کی حیثیت سے اگر تم میرے کسی کلائنٹ کو ڈیل کر لو گی تو کیا میری ترقی میں حصہ دار بن جاؤ گی' یہ کام تو چند ہزار دے کے کسی پروفیشنل سے بھی کرایا جا سکتا ہے۔" اس کی اس حد تک کڑی بات پہ وہ سن ہو کر رہ گئی۔

"لیکن میں اتنے گند میں اتر کے کام کرنے کا عادی نہیں۔ میں نے تم سے آج تک کوئی غلط کام نہیں کروایا۔ بس یوں سمجھو تم میرے لیے ایک پی آر او کا کام کرتی ہو اور کوئی نرالی بات نہیں۔ یہاں یہی سب چلتا ہے۔"

"میں نے کب تمہارے ساتھ تعاون نہیں کیا۔ موٹی موٹی توندوں والے پارسی سیٹھوں کے حسن و وجاہت میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے ہیں۔ فارن سے آنے والی ڈیلی کنٹریکٹ کے لیے ایسٹرن اسٹائل پارٹنر کا اہتمام کیا ہے کلاسیکل ڈانس اور قوالی کی محفلوں کے ساتھ اور وہ تمہارے چغتائی صاحب۔۔۔ وہ تو میرے زور بیان اور حسن گفتگو کے عاشق ہیں' کل بھی میں نے تو انہیں اپنی طرف سے باتوں کے جنگل میں بھگانے کی پوری پوری کوشش کی تھی۔"

"ہونہہ۔۔۔ باتیں۔۔۔ صرف باتیں۔۔۔ خوش فہمی ہے تمہاری کہ تم صرف ذہن اور گفتگو کے بدلے کسی کو تسخیر کر سکتی ہو۔ گھر کے اندر بیٹھی عورت صبر' محنت اور خدمت سے بازی جیتتی ہے جب کہ باہر نکلنے والی عورت کے پاس واحد ہتھیار ناز و ادا اور حسن ہوتا ہے۔ فار یور کائنڈ انفارمیشن کل کی بازی ہمدانی کی وہ تیسری نئی نویلی بیوی جیت چکی ہے جس سے شادی کرنے پر تم نے سر عام ہمدانی پہ ہوٹنگ کی تھی۔ اب سمجھ میں آیا کہ بدلتے وقت کے تقاضوں کا ساتھ دینے کے لیے لباس کے ساتھ ساتھ لائف پارٹنر میں بھی چینجنگ ضروری ہے۔" اس کی دھمکی شاید مریم نوانہ کی سمجھ میں نہ آئی اسی طرح اپنی بات پہ ڈٹی رہی۔

"یس ڈارلنگ! بدلتے وقت کا تقاضا۔۔۔ اب میری عمر۔۔۔ آئی مین۔۔۔" عمر کے بارے میں حد درجہ حساس مریم کھلے دل سے اعتراف نہ کر سکی کہ تیس بتیس سے اوپر نہ لگنے کے باوجود وہ ہے تو ایک کم چالیس کی۔

"سنی کی عمر بھی تو دیکھیں' اب وہ بڑا ہو رہا ہے۔ مجھے اس کا بھی تو خیال رکھنا ہے۔ لاسٹ ویک جم خانہ میں وہ اپنے دوستوں کے ساتھ تھا جب میں کھوکھر صاحب کے ساتھ وہاں گئی تھی اور وہ جس کاک ٹیل پارٹی میں آپ نے مجھے اکیلے بھیجا تھا۔ یاد ہے' میں نے بتایا تھا کہ سکندر بھی وہاں موجود تھا اس کے کسی فرینڈ کے فادر نے وہ پارٹی ارینج کی تھی۔ اس قسم کی پارٹیز میں بغیر آپ کے۔۔۔ میری موجودگی اس کا موڈ آف کر گئی۔ میں نے بھی بہت اگورڈ فیل کیا' ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ماں کی حیثیت سے میں اس سے باز پرس کرتی کہ وہ یہاں کیا کر رہا ہے لیکن برعکس اس کے میں خود بیٹے سے آنکھیں چراتی پھر رہی تھی۔ دکھ تو مجھے اس بات کا تھا اس نے کسی پہ ظاہر تک نہ کیا کہ میں اس کی ماما ہوں'

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے عید کا تحفہ

4 خوبصورت و مقبول ناول

* میرے خواب ریزہ ریزہ ... 300/- * لاحاصل ... 180/-
* آگ دیا جلائے کھنا ... 300/- * شہر دل کے دروازے ... 250/-

چاروں ناول ایک ساتھ منگوانے پر ٹاک شو فری

* خوبصورت سرورق * خوبصورت چھپائی * مضبوط جلد * آفسٹ پیپر

شائع ہو گئے ہیں

آج ہی قریبی بکسٹال سے حاصل فرمائیں۔

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

اس کے فرینڈ دوسری عورتوں کے ساتھ ساتھ مجھ پہ بھی ریمارکس دے رہے ہوں گے۔ اس نے کتنا ضبط کیا ہوگا۔ میں ماں ہوں سبکتگین! مجھے بیٹے کا بھی تو سوچنا ہے۔ اس کی فیلنگز ہرٹ نہ ہوں۔۔۔ یہ خیال بھی تو رکھنا ہے۔"

رفتہ رفتہ سمجھ کی گئی تقریر کے تمام دلائل مریم کے ذہن سے محو ہوگئے' سبکتگین سرد نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

"اوکے دین۔ تمہیں نیا نیا ماں بننے کا شوق چرایا ہے یا تم میرا ساتھ دینے سے کترانے کے لیے ممتا کے ڈرامے کر رہی ہو۔ جو بھی ہے تمہیں اتنا بتادوں کہ مریم سبکتگین ٹوانہ کی وجہ سے ہے۔ وہ مریم کی وجہ سے نہیں۔ تم نہیں تم کوئی اور ہو آگے لے آؤں گا۔ ہمدانی بھی تو نقصان میں نہیں رہا اور وہ ظفر' اس کرسچین ماڈل سے شادی کرنے کے بعد تو اس کے حالات ہی بدل گئے ہیں تم گھر سنبھالو اور بیٹا۔۔۔ شاید تم اسی قابل تھیں تمہاری صلاحیتوں کی زیادہ ضرورت اب اس گھر کو ہے۔ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں؟"

"کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ؟" اس کا لہجہ اندازِ تخاطب سب بدل گیا۔ استفسار کی بجائے سوال میں بے چارگی اور دہائی زیادہ تھی۔

"میں آپ سے اپنا پرابلم ڈسکس کر رہی تھی اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ میں نے کوئی فیصلہ کرلیا ہے۔ میرا کہنے کا مطلب تو یہ تھا کہ یہ۔۔۔ سکندر۔۔۔ دراصل بہت۔۔۔ شاید اس کی کمپنی اچھی نہیں۔ عجیب فرسودہ سی مڈل کلاس ذہنیت ہوگئی ہے۔ جتنا جلدی ہوسکے اسے اسٹیٹس بھجوائیں۔" چور نگاہوں سے اس کے تاثرات جانچتی وہ ڈریسنگ ٹیبل کے آگے کھڑی ہو کر موئسچرائزر چہرے اور گردن پہ ملنے لگی۔ سبکتگین کچھ نہ بولا لیکن وارننگ دیتی نگاہوں اور وکٹری کا نشان دکھاتی مسکراہٹ کے ساتھ کمرے سے نکل گیا۔

مریم ٹوانہ تھکے تھکے انداز میں اسٹول پہ بیٹھ گئیں۔ ایک اکتا دینے والی نظر سے ڈریسنگ پہ یہاں سے وہاں تک سجے کلونز لوشنز' کریمز اور میک اپ کے دوسرے لوازمات کو دیکھا۔ ایک سائڈ پہ پڑے موبائل کو اٹھا کر چند نمبر پش کیے۔

"ہیلو۔۔۔ نغمہ۔۔۔" دوسری طرف ان کی سیکریٹری تھی۔

"ہاں کوئی خاص بات نہیں۔۔۔ میں صبح این جی او کی میٹنگ میں نہیں آسکتی۔"

"نہیں۔۔۔ کوئی کام نہیں۔۔۔ اوہو۔۔۔ کہا ناں۔۔۔ اب پارلر جانے سے زیادہ ضروری تو نہیں فضول میٹنگز۔"

"اور کیا؟ مجھے کیا ملنا ہے ان بے کار کے جھنجھٹوں سے' نری دردسری۔"

"بھاڑ میں جائیں عورتیں اور ان کے حقوق' فضول سی میٹنگز میں تقریریں جھاڑ جھاڑ کر ساری فریش نیس کا ناس ہوجاتا ہے۔ ٹینشن الگ۔۔۔"

"اور ہاں میں تو پارلر میں تین چار گھنٹے گزاروں گی۔ تم صبح میرے ٹیلر کی طرف چلی جانا۔ تین سوٹ کل اور چار سوٹ ایک ساڑھی پرسوں دے کر آئی تھی۔ ست تو وہ ہے ہی' ابھی کہاں سینا شروع کیے ہوں گے۔ ان میں کچھ تبدیلی کروانی تھی۔"

"ہاں ہاں ذرا ماڈلک دے دینا' پتہ نہیں اس دن کس احمق نے بتایا تھا لوز شرٹس اور فل سلیوز کا فیشن پھر سے لوٹ آیا ہے۔"

"کیا۔۔۔؟ واقعی۔۔۔؟ ہوتا رہے جب مجھے نہیں پسند یہ ڈھیلے ڈھالے تو میں کیا کروں' تم سب شرٹس ٹائٹ رکھوا دو نیٹ کی دونوں شرٹس کے نیچے لائننگ بہت باریک لگوانا اور سلیولیس رکھنا۔ گلے بھی ڈیپ ہوں۔ ہاں آگے پیچھے دونوں طرف سے۔۔۔ اور ساڑھی کا بلاؤز اسے کہنا وہ جو اس کی شاپ پہ مادھوری کی تصویر ہے۔۔۔ بالکل ویسا ہی بلاؤز رکھ دے۔"